مولانا محمد عبد الرشید نعمانی

(تیسری اور آخری قسط)

# کتب خانہ مدرسہ عربیہ مظہر العلوم کراچی کے
# مخطوطات

**(۱۴) نشر حلاوی المعارف والعلوم فی الرد علی من نصر الکفار واهل الرسوم**

تقطیع خورد، تعداد اوراق ۱۲۲، کتابت معمولی درجہ کی۔

سرورق پر حاشیہ میں مصنف کے قلم سے سرخ روشنائی سے یہی نام تحریر ہے اور نیچے مصنف کی مہر ثبت ہے، لیکن خاتمہ کتاب میں خود مصنف کی عبارت میں یہ نام اس طرح مذکور ہے:۔

> "ولما حصل التمام وصار مسکی الختام وکان اعداد لفظ
> نشر حلاوی المعارف والعلوم یعطی تاریخ عام الاختتام سمیتہ
> "بنشر حلاوی المعارف والعلوم علی اولیاء الاذهان والمفهوم"
> تقطع بتیة اعداء الحق من اهل الشرك والعادات والرسوم"

اس نسخہ کی خصوصیت یہ ہے کہ جابجا مصنف کے قلم سے حواشی میں اصل کتاب پر اضافہ ہے۔

نشر حلاوی المعارف والعلوم جیساکہ عبارتِ مذکور میں مصرح ہے، تاریخی نام ہے، جس سے اس کا سال تصنیف سنہ ۱۲۱۰ھ معلوم ہوتا ہے۔ سابق میں گزر چکا ہے کہ سنہ ۱۲۰۹ھ

میں مصنف نے دماج المغنم اور اماطۃ اذی البید دو رسالے تصنیف کیے تھے پہلا رسالہ جودھپور کے دارالحرب ہونے کے ثبوت میں تھا اور دُوسرا سندھی ہندوؤں کے ذمی نہ ہونے کے ثبوت میں شیخ عثمان کی تحریک پر ان کے شاگرد محمد صادق نے ذب الظلمۃ عن مال اہل الذمۃ کے نام سے دماج المغنم کا جواب لکھا تھا جس میں "جودھپور" کو دارالاسلام قرار دینے کی ناکام کوشش کی تھی اور خود استاد نے اماطۃ اذی البید کی تردید میں قلم اٹھایا تھا اور سندھی ہندوؤں کو حربی قرار دینے کی مخالفت کی تھی۔ یہ شیخ عثمان شیخ نور محمد نصرپوری کے شاگرد تھے، جن کا شمار مصنف کے بزرگان خاندان کے تلامذہ میں ہے۔

نشر جلاوی المعارف والعلوم ان دونوں کا مبسوط رد ہے، جس میں اصل بحث تو ان ہی دونوں مسئلوں سے متعلق ہے مگر ضمن میں نحو، بلاغت، اصول فقہ اور تصوف کے متعدد مسائل زیر بحث آگئے ہیں، جن کے مطالعہ سے مصنف کی جلالتِ علمی اور وسعتِ نظر کا پتہ چلتا ہے۔ مصنف کے پاس مختلف علوم وفنون کی کتابوں کا اچھا خاصا ذخیرہ تھا جس پر مصنف کو کافی عبور تھا۔ ورق ۵۳ پر خود مصنف کے الفاظ ہیں:۔

"وفی قبضۃ مملکی نحو من الفی مجلد من کتاب العلوم
ومہارتی بمعرفۃ الکتب ومیز بعضہا عن بعض علی حسب
ذلک"

علامہ قاضی شہاب الدین احمد بن محمد خفاجی حنفی کا حاشیہ تفسیر بیضاوی بیس جلدوں میں مصنف کے پاس موجود تھا۔

ابتداء کتاب میں علماء حق کی فضیلت اور علماء سوء کی برائی مذکور ہے۔ دماج المغنم کے خطبہ پر شیخ عثمان کا جو اعتراض تھا، اس کا تفصیلی رد ہے۔ ورق ۱۹ سے ذب الظلمۃ کی تردید شروع ہوتی ہے۔ دارالاسلام کب دارالحرب ہوتا ہے، اس پر مصنف نے بڑی سیر حاصل بحث کی ہے۔ صاحبینؒ (امام ابویوسف اور امام محمد) کے نزدیک جب دارالاسلام پر کفار احکام شرک کا اجراء کردیں تو وہ دارالحرب بن جاتا ہے لیکن امام اعظمؒ

کے نزدیک دو باتیں اور ضروری ہیں (۱) وہ مقام دارالحرب سے اس طرح ملا ہو کہ دونوں کے بیچ میں مسلمانوں کا کوئی شہر نہ ہو کہ جہاں سے اس جگہ مدد پہنچ سکے۔ (۲) امان اول باقی نہ رہے، یعنی کفار کے استیلاء سے قبل مسلمان کو جو اپنے اسلام کی بنا پر اور ذمی کو جو عقد ذمہ کی بنا پر امان حاصل تھی وہ ختم ہو چکی ہو اور مسلمان اور ذمی کفار سے امان لیے بغیر وہاں قطعاً نہ رہ سکیں۔

مصنف نے لکھا ہے کہ یہ اختلاف درحقیقت اختلاف عصر و زمان ہے۔ امام صاحب کے نزدیک دارالحرب ہونے کے لیے کفار کا پورا غلبہ اور قوت معتبر ہے۔ جودھ پور امام صاحب کی ہر سہ مذکورہ بالا شرائط کی بنا پر بھی دارالحرب ہی ہے۔ احکام کفر کا اجراء تو وہاں ظاہر ہی ہے، بت پرستی عام ہے، مسلمانوں کو بآواز بلند اذان کہنے کی ممانعت ہے، حلال جانوروں کا ذبح کرنے پر دار و گیر ہے۔ اگر کوئی مسلمان اپنے گھر میں بھی خفیہ طور سے کسی مرغ یا پرند کو ذبح کر ڈالے اور انھیں خبر ہو جائے تو اس کی گردن اڑا ڈالیں یا مار پیٹ گالی گفتار اور مال لے کر اسے اذیت پہنچا کر رہیں۔ ہم نے ایک معتبر شخص کی زبانی سنا ہے کہ ان ہی دنوں کسی مسلمان نے ایک حلال جانور کا ذبیحہ کیا، جس پر کافروں نے اس کو طرح طرح کی اذیتیں اور تکلیفیں پہنچائیں اور آخر میں جب ایک عالم نے جو جودھ پور کے ہی نواح کا رہنے والا تھا، حکام سے اس کی سفارش کی تو اس غریب کو قتل کر دیا، بیچارے کا مال و اسباب لوٹ کر اس کے بیوی بچوں کو غلام اور لونڈی بنا لیا اور اس کی مذہبی کتابوں کے ساتھ وہ نازیبا سلوک کیا کہ بیان کے لائق نہیں۔ ہم نے یہ بھی سنا ہے کہ وہاں محض مسلمانوں کو چڑانے اور اسلام کا مذاق اڑانے کے لیے ایک نام نہاد مدعیٔ اسلام کو جو محض جاہل مطلق ہے، عہدۂ قضا تفویض کیا گیا ہے اور اس نالائق کا نام "قاضی گنگا رام" رکھ چھوڑا ہے۔ کوئی مسلمان ان کے یہاں علانیہ ختنہ نہیں کرا سکتا۔ جمعہ، جماعات کو کھلے بندوں قائم نہیں کر سکتا، کسی معروف شرعی کو علی الاعلان کہہ نہیں سکتا اور کسی منکر دینی کو ظاہر میں روک نہیں سکتا۔ اگر ہمارے دیار کا کوئی امیر ان کو دعوت دے یا جزیہ قبول کرنے کے لیے کہے تو فوراً آمادہ پیکار ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ جب مرحوم میر بجار تالپور نے سندھ کے

اطراف میں ان کی شمالی اور بنجر زمین کے قریب قلعہ تعمیر کیا تو انھوں نے دھوکے سے اس کو قتل کرا کے دیار سندھ میں ایسا عظیم فتنہ برپا کیا کہ جس کی آگ کے شرارے ابھی تک نہ بجھ سکے۔ پھر ان اشقیاء نے لشکر جمع کر کے ہمارے دیار کے امراء مسلمین کے ساتھ جنگ چھیڑ دی جس میں سخت معرکہ ہوا، میر فتح خان تالپور اسی جنگ میں زخمی ہوا۔ بالآخر حق تعالیٰ نے اہل اسلام کو فتح نصیب فرمائی۔ دوسری مرتبہ پھر ان کی فوج سے مقابلہ ہوا اور اسی میں میر سہراب خان کا بھائی غلام محمد مقتول ہوا۔ اور آج تک سندھ کے مسلمان امراء سے یہ نہ ہو سکا کہ قلعہ عمرکوٹ کو ان سے خالی کرا لیتے جس کو انھوں نے اس سے چھین لیا تھا اور نہ کسی کو میر بجار یا میر غلام محمد کے خون کا انتقام لینے کی مقدرت حاصل ہوئی، حالانکہ ان کے جانشینوں میں میر فتح علی خان، میر غلام علی خان، میر مراد علی، میر غلام حسین میر بہرام اور میر سہراب جیسے مشاہیر حکام اور صاحبان سپاہ و لشکر گزرے ہیں، کیونکہ امرائے سندھ کے مقابلے میں ان کی سپاہ کی تعداد کئی گنی زیادہ ہے۔ جودھ پور کی مساجد دو سو برس یا اس سے زیادہ ہونے آئے کہ کھنڈر پڑی ہوئی ہیں اور بعض مسجدیں جو باقی بچی ہوئی ہیں ان میں سے کسی میں اگر مسلمان نماز پڑھتے ہیں تو بآواز بلند اذان نہیں کہہ سکتے۔ بعض مسجدیں پیشاب خانوں، پاخانوں اور غسل خانوں میں تبدیل ہو چکی ہیں، بعض میں اونٹ گھوڑے، گدھے اور گائے بھینسیں بندھتی ہیں۔ خدا جانے مسلمان کہاں ہیں اور غیرت اسلامی کیا ہو گئی؟

رہی دوسری شرط کہ وہ دارالحرب سے متصل ہو سو جودھ پور میں یہ بھی ہے، شرق میں اودے پور اور مرہٹوں کا علاقہ ہے، غرب میں جیسلمیر اور سوڑھت ہے، شمال میں سکھ قوم اور سندھیا کی حکومت ہے، جنوب میں کچھ، گجرات، کاٹھیاواڑ، جھالاواڑ وغیرہ ہیں۔

اور تیسری شرط کہ وہاں کوئی مسلم اور ذمی امان اول پر باقی نہ ہو، یہ بھی ظاہر ہے، کیونکہ جودھ پور میں مسلمان بغیر مشرکین کے امان کے مامون نہیں۔ اور ذمی کا تو وہاں سرے سے وجود ہی ندارد ہے۔

ہمارے دیار سندھ میں بھی اگرچہ اسلام کا غلبہ زائل ہو چکا ہے، علانیہ شرابیں کشید

کی جاتی ہیں، نرد و شطرنج کی بازی ہوتی ہے، رنڈیوں سے ان کی خرچی کی آمدنی میں سے حکومت وصول کرتی ہے، ہیجڑوں پر مالی ٹیکس مقرر ہے، چاول وغیرہ سے مسکرات تیار کیے جاتے ہیں، دکانوں پر بت پرستی ہوتی ہے، کفار کے معابد میں فضاء آسمانی میں چراغ روشن ہوتے ہیں تاکہ کفار کی شہرت قوی رہے، مساجد غیر آباد ہیں، نماز، روزہ وغیرہ عبادات کے قیام کی کوشش نہیں ہے۔ مقدمات کے فیصلوں میں مکھیاؤں کی طرف مرجوعہ ہے، اگر کوئی مسلمان قاضی مکھیاؤں کی مخالفت کرے تو اسے ایذا دی جاتی ہے، یہی وجہ تھی کہ میں ٹھٹھہ سے جو اس وقت میر فتح علی خاں تالپور کے زیر نگیں تھا، بندر کراچی کو ہجرت کر گیا تھا، اس زمانے میں میر محمد نصیر خاں زندہ تھا، گو کراچی میں بھی بہت سی بدعتیں تھیں، تاہم نواب میر فتح علی خاں کی عملداری سے کم تھیں۔ نصیر خان کے انتقال پر جب میر فتح علی خان قلعہ کراچی کا وارث ہوا ہے تو پھر بدعات و کفریات کی وہاں بھی ایسی اشاعت ہوئی کہ اس کے بیان سے دل تنگ اور زبان گنگ ہے[1]۔ تالپوریوں کے عہد میں بہت سے مشرکین نے مسلمہ عورتوں سے تسری کی اور بہت سے مسلمان لونڈی غلام کافروں کے قبضہ تصرف میں تھے، ان سب چیزوں کے باوجود نواب میر فتح علی خاں کی عملداری میں گو اہل اسلام بہت ہی مغلوب ہوئے ہیں اور کفار حاکم مذکور کے اقبال سے بہت سر چڑھ گئے ہیں تاہم اس دیار پر دارالحرب ہونے کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔ اسی طرح ملتان اگرچہ سکھوں کے قبضے میں ہے اور بندر سورت اور بندر بمبئی پر اگرچہ فرنگیوں کی حکومت ہے تاہم وہ دارالاسلام ہی ہیں کیونکہ وہ شرطیں جن کی بناء پر دارالاسلام دارالحرب بن جاتا ہے، وہاں موجود نہیں ہیں۔ ان مقامات پر مسلمانوں کے مقدمات کے فیصلے مسلمان قاضیوں کی عدالت میں طے ہوتے ہیں۔ یہ مقامات دیارِ مسلمین سے اس طرح متصل

---

[1] اس سلسلے کا ایک واقعہ خود مصنف نے ورق ۹۶ کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ پنیہ نامی گائے قصاب کو خود ہم نے کراچی میں مشاہدہ کیا کہ ان کافروں نے گھڑی بھر میں نکال باہر کیا اور اس کے گھر کو تاراج کر ڈالا، مسلمان دیکھتے رہے، ان کو یہ مجال نہ تھی کہ قصاب کو ان ظالموں کے پنجۂ ظلم سے چھڑا لیتے۔ اس قصاب کا سوائے اس کے کوئی قصور نہ تھا کہ وہ گائے قصاب تھا۔

ہیں کہ ضرورت پر اہل اسلام کی مدد پہنچ سکتی ہے اور مسلمان اور ذمّی امان اسلامی پر وہاں باقی ہیں، اگرچہ خطّہ میں مسلمانوں کا اقتدار ہے اور مُلتان، سورت اور بمبئی میں کفار کا۔

اس کے بعد مصنف نے ثابت کیا ہے کہ ان جودھپوری کافروں کے ساتھ جنگ شرعاً جہاد ہے۔

رہا نیّت کا سوال، سو امام ابوحنیفہ کے نزدیک ان تمام اعمال کی صحت کے لیے تو اس کا وجود ضروری ہے جو مقصود بالذات ہیں، لیکن جو اعمال کہ مقصود بالذات نہیں بلکہ مقصود لغیرہ ہیں. جیسے نماز کے لیے وضو اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے جہاد، تو ان میں نیت محض حصول ثواب کے لیے شرط ہے ان اعمال کی صحت کے لیے شرط نہیں ہے کیونکہ مقصود اصلی یعنی اس وضو سے نماز کا ہونا اور اس جہاد سے دین کا اعزاز ہونا ہر حال میں حاصل ہے خواہ اس نماز و جہاد میں نیّت ہو یا نہ ہو۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ آخرت میں ثواب عقاب کا دار و مدار نیّت ہی پر ہے۔ مصنف نے اپنے اس دعوے کے اثبات میں بہت سی حدیثیں پیش کی ہیں جیسے وہ حدیث جو حضرت عبداللہ بن مسعود سے مسند احمد میں مروی ہے:۔

”ربّ قتیل بین الصفین اللہ اعلم نیّتہ“۔

اور حضرت عبادۃ بن الصامت کی وہ حدیث جو سنن نسائی میں ہے کہ

”من غزا فی سبیل اللہ وھو لا ینوی الا عقالا فلہ مانوی“۔

اور طبرانی میں حضرت صہیب سے مروی ہے:۔

”ایما رجل تزوج امراۃ فنوی ان لا یعطیھا من صداقھا شیئا مات یوم یموت وھو زان. وایما رجل اشتری من رجل بیعا فنوی ان لا یعطیہ من ثمنہ شیئا مات یوم یموت وھو خائن“۔

اور طبرانی ہی میں حضرت ابوامامہ سے یہ بھی مروی ہے کہ

”من ادان دینا وھو ینوی ان یودیہ ادی اللہ عنہ یوم القیامۃ ومن ادان دینا وھو ینوی ان لا یودیہ بعثہ اللہ سارقاً“۔

ورق ۳۷ سے اماطۃ اذی البید پر جو شیخ عثمان کے اعتراضات تھے، ان کا جواب شروع ہوتا ہے۔ یہ بڑا تفصیلی جواب ہے جو آخر کتاب تک چلا گیا ہے۔ شیخ عثمان نے جو ذمیوں کے بارے میں لکھا تھا کہ ان سے جو مسلمانوں کا عہد ہے، اس کی دو قسمیں ہیں، ایک عہد ہے ترک قتال کا اور دوسرا ان سے عدم تعرض کا۔ مصنف نے اس کے متعلق لکھا ہے کہ کسی عالم نے آج تک عہد کی دو قسمیں بیان نہیں کی ہیں (ورق ۴۴) بلکہ علماء کی تصریح کے مطابق معاہدہ عمریہ میں سے جب ایک دفعہ کی بھی ذمی خلاف ورزی کریں گے نقض عہد کے مرتکب سمجھے جائیں گے۔ مفتی الحنفیہ تلمیذ ابن الہمام علامہ قاسم بن قطلوبغا نے تخریج احادیث الاختیار میں لکھا ہے:-

> "ینبغی للامام اذا عقد الذمۃ ان یعقد ما علی ما عقدھا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ وان ینقض العہد بکل ما بہ خلاف ذلک"

(ورق ۹۰) اور علامہ سبکی نے تصریح کی ہے:-

> "لیس لاحد من الائمۃ بعدہ (ای بعد عمرؓ) ان یصالحہم بدون شیٔ من الشروط التی شرط عمر رضی اللہ عنہ وجمیع اہل الذمۃ انما ہم جارون علی شروط عمر رضی اللہ عنہ لانا لا نعرف احدا بعدہ من الائمۃ عقد لہم عقدا یخالف عقدہ بل کل الائمۃ یعتمدون شروطہ ویجرون علیہا"

(ورق ۹۵) اور اس معاہدے کے متن کی آخری دفعہ میں خود ذمیوں نے تسلیم کیا تھا:-

> "فان نحن خالفنا فی شیٔ مما شرطناہ لکم فضمناہ علی انفسنا فلا ذمۃ لنا وقد حل لکم ما یحل لکم من اہل المعاندۃ والشقاق۔ واخرجہ الحافظ ابو علی محمد بن سعید الحرانی فی تاریخ الرقۃ وابن حزم فی محلاہ"

(ورق ۱۰۰)

یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ مصنف کو ان دو مسئلوں میں ان کی صحت کی بابت اس درجہ یقین ہے کہ وہ شیخ عثمان مذکور کو ان کی حقانیت کا فیصلہ چکانے کے لیے پورے جزم و یقین کے ساتھ مباہلہ کی دعوت دے رہے ہیں، چنانچہ ورق ۷۰ پر فرماتے ہیں:-

> "فانی الآن ارید بمتابعة النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
> المباهلة مع الخصم فلیات الخصم بما علنا فنجعل لعنة
> اللہ علی الکاذبین"

## (۱۵) نشیج الضحی فی قص اللحی

تقطیع خورد، تعداد اوراق ۹، کتابت مناسب۔

سرورق پر خود مصنف کے قلم سے اس رسالہ کا نام تحریر ہے اور نیچے مہر ثبت ہے۔ ورق ۵ پر مصنف کے قلم سے حاشیہ پر اصل کتاب میں اضافہ بھی ہے۔

نشیج الضحی بھی تاریخی نام ہے جس سے اس کا سنہ تالیف ۱۲۱۲ھ نکلتا ہے۔ مصنف نے اس رسالے میں داڑھی کے ایک مشت سے کم کرنے کی حرمت شرعیہ کو بیان کیا ہے۔

## (۱۶) وصول الغنا فی تحریم الدفوف مع الجلاجل والغنا

تقطیع خورد

کتابت متوسط، تعداد اوراق ۱۷۔

سرورق پر خود مصنف کے قلم سے تحریر ہے:-

> "وصول الغنا فی تحریم الدفوف مع الجلاجل والغنا
> للفقیر ابراهیم عفی عنہ وهی رد علی رسالة الشیخ عبدالرحمٰن
> بن احمد بن عبداللہ بن محمد بن عبداللطیف الشافعی الاحساوی
> المدمن جذب التتن فی استحسانہ واباحتہ للدفوف والغنا
> الموسیقی والجلاجل والصلاصل والازمار"

شیخ عبدالرحمٰن احسائی نے گانے اور دف بجانے کے جواز پر ایک رسالہ لکھا جو مصنف کے رسالے کے ساتھ مجلد ہے۔ مصنف کا یہ رسالہ اس کے رد میں ہے۔

اس رسالے کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کے آخری ورق پر مصنف کے قلم سے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے تابعی ہونے کے بارے میں "تخریج احادیث الاختیار" سے حسب ذیل

عبارت منقول ہے:۔

نقل المزی فی کتابہ تہذیب الکمال عن یحیی بن معین انہ قال ابوحنیفۃ ثقۃ فی الحدیث وروی ابن خسرو فی مسندہ حدثنا الشیخ ابومنصور الشیخی قال حدثنا القاضی ابوالقاسم التنوخی حدثنا ابی حدثنا ابوبکر حدثنا احمد سمعت یحیی بن معین یقول وھو یسئل عن ابی حنیفۃ آ ثقۃ ھو فی الحدیث فقال نعم ثقۃ ثقۃ کان واللہ اورع من ان یکذب وھو اجل قدرا من ذلک۔ وسئل عن ابی یوسف فقال صدوق ثقۃ۔ و روی الامام الاجل عبدالخالق تاج الدین بن اسد بن ثابت فی معجمہ حدثنا محمد بن احمد بن محمد بن عمر الصوفی الباغبان باصبہان حدثنا عبدالرحمن بن عبداللہ بن مندہ اجازۃ (واخبرنا) محمد بن ابی زید بن محمد یعرف بحکمہ باصبہان حدثنا ابونصر محمد بن ابی الرجاء بن ابی النصر المودب حدثنا عبدالرحمٰن بن مندہ حدثنا عبدالصمد القاضی حدثنا نصر بن احمد المطوعی ابومنصور حدثنا ابوالقاسم احمد بن عمر الفقیہ سمعت عبداللہ بن محمد المصری یقول سمعت یحیی بن معین یقول ابوحنیفۃ رح ثقۃ فی الحدیث وابویوسف کذلک وھو اکثر حدیثا واما مناقبہ وفضائلہ

کالبدر لا تختفی لیلا اشعتہ
لا یجھل الکل [illegible] لا یعرف القمراء

وقال فی التہذیب روی نصر بن علی عن الخریبی قال الناس فی ابی حنیفۃ حاسد وجاھل واحسنھم عندی الجاھل۔

(تخریج احادیث الاختیار فی بیان حدیث "من کان لہ امام فقراءۃ الامام لہ قراءۃ"، للعلامہ قاسم بن قطلوبغا الرومی الحنفی)

**(۱۷) ہدایۃ الناس فی ابقاء الشعر علی الرأس** تقطیع خورد، کتابت بخط دیوانی

تعداد اوراق ۱۰۔

میرے خیال میں یہ پورا رسالہ خود مصنف کے قلم سے لکھا ہوا ہے، جابجا حواشی پر بعض کتاب میں اضافے بھی کیے ہیں، اس رسالے کا موضوع یہ ہے کہ سر پر بال رکھنا اور ان کو سر سے نیچے تک چھوڑے رکھنا مسنون ہے اور عزیمت میں داخل ہے اور بلا ضرورت سر منڈانے کی اگرچہ رخصت ہے، تاہم چونکہ وہ خوارج کا شعار رہ چکا ہے، اس لیے کراہت تنزیہی سے خالی نہیں۔

خاتمہ میں مصنف نے تصریح کی ہے کہ یہ رسالہ چوتھائی دن سے کچھ زیادہ دیر میں تمام ہوگیا اور مصنف کو خواب و بیداری کے درمیانی عالم میں اس کی تاریخ تالیف اغانی قوم الہام ہوئی، جس سے اس کا سنہ تالیف ۱۲۰۸ھ نکلتا ہے۔

---

# الہام الرحمٰن فی تفسیر القرآن

من امالی

الاستاذ عبید اللہ السندیؒ

الجزء الثانی

قیمت آٹھ روپے

ملنے کا پتہ

شاہ ولی اللہ اکیڈمی صدر، حیدر آباد،